پروفیسر رشید احمد

نظام الملک طوسی کے سیاسی افکار

عباسی خلفاء ایرانیوں سے ان کی علویوں کی طرف میلان کے باعث بدظن ہو گئے اور ان کے زور کو کم کرنے کی غرض سے انہوں نے ترکوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ ترکوں کی طاقت بہت بڑھ گئی اور انہوں نے خلفاء کو بے دست و پا بنا کر رکھ دیا۔ مرکز کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر دور دراز کے علاقے خود مختار بن بیٹھے۔ جا بجا آزاد حکومتیں قائم ہو گئیں۔ ان حکومتوں میں سے چند نے بغداد پر بھی حملے شروع کر دیئے حتیٰ کہ بویہی حکومت بغداد پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گئی جس نے خلافت کی رہی سہی عزت بھی خاک میں ملا کر رکھ دی۔ لیکن یہی ترک جنہوں نے خلافت کے اقتدار کو بے حد صدمہ پہنچایا تھا اس کے وقار کی بازیابی کا باعث بنے۔ ایک ترکی خاندان آلِ سلجوق نے بڑی حد تک اُن نقصانات کی تلافی کر دی جو بنو عباس کو ترکوں کے ہاتھوں دو سو سال سے پہنچتے رہے تھے۔ آل سلجوق نے بویہیوں کو بغداد سے بے دخل کر کے عباسی خلفاء کی گلو خلاصی کرائی۔ افغانستان سے لے کر بحر روم تک جتنی بھی خود مختار ریاستیں وجود میں آ گئی تھیں ان سب کو ختم کر کے اسلامی دنیا کو ایک بار پھر ایک مرکز کے تحت متحد کر دیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں میں جوشِ جہاد کی وہ روح پھونک دی جس کے ذریعہ انہوں نے صلیبی جنگوں میں یورپ کی متحدہ افواج کے چھکے چھڑا دیئے۔ سلجوقیوں کے کارناموں کی ایک طویل فہرست کتبِ تواریخ کی زینت بنی ہوئی ہے۔ یہ تمام کامیابیاں ایک ہی شخص کی مرہونِ منت ہیں جس نے اس خانوادہ کے دو عظیم الشان بادشاہوں کے عہد میں وزارت کے فرائض انجام دیئے اور تیس سال تک اسلامی مملکت میں اسی کا سکہ چلتا رہا۔ وہ شخص نظام الملک طوسی ہے۔

حالات زندگی

نظام الملک کا نام حسن اور کنیت ابو علی ہے۔ ۴۰۸ھ مطابق ۱۰۱۸ء میں وہ طوس کے ایک کاشتکار گھرانے میں پیدا ہوا۔ زندگی کے ابتدائی ایام ہی میں ماں کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ مفلس باپ میں اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلانے کی سکت ہی کہاں تھی۔ ان نامساعد حالات میں بھی اس ہونہار بچے نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر لی۔ سات برس ہی کی عمر میں اس نے پورا قرآن مجید حفظ کر لیا۔ عربی زبان کے سیکھنے کے علاوہ مذہبی علوم میں مہارت پیدا کی۔ ریاضی سے اسے خاص دلچسپی تھی۔ طالب علمی کے زمانے میں دو شخص اس کے ہم سبق تھے جنہوں نے آگے چل کر ابدی شہرت حاصل کی ان میں سے ایک فارسی کا مشہور شاعر و فلسفی عمر خیام اور دوسرا باطنیہ فرقہ کی حشیشین شاخ کا بانی حسن بن صباح ہے۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد نظام الملک متعدد حکومتوں میں معمولی عہدوں پر فائز رہا۔ بعد میں اس نے بلخ کے حاکم ابوعلی بن شاذان کی ملازمت اختیار کرلی لیکن وہ ابوعلی کی درشت مزاجی سے تنگ آکر بلخ کو بھی چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ اس نے مرو میں سلجوق کے پوتے جغری بیگ تک رسائی حاصل کی۔ جغری بیگ نظام الملک کے علم وفضل اور اس کی ذہانت سے بے حد متاثر ہوا۔ اسی کی سفارش پر اس کے بیٹے الپ ارسلان نے نظام الملک کو اپنا کاتب مقرر کرلیا طغرل کے انتقال کے بعد الپ ارسلان جب بادشاہ ہوا تو اس نے نظام الملک کو وزیر بنا کر سارے امورِ مملکت نظام الملک کے سپرد کردیئے۔ وہ الپ ارسلان کے دس سالہ عہدِ حکومت سیاہ وسفید کا مالک رہا۔ یہ نظام الملک ہی کے تدبر وسیاست کا نتیجہ تھا کہ قسطنطنیہ کی بازنطینی حکومت کو سلجوقیوں کا باجگذار بننا پڑا اور حرمین شریفین فاطمیوں کے اثر سے نکل کر ایک بار پھر عباسیوں کے زیر فرمان آگئے۔

الپ ارسلان کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ بادشاہ ہوا۔ نظام الملک کو اس نے اتابک اور عماد الدولہ کے القاب عطا کر کے اپنی وسیع اور عریض سلطنت کا مختار کل بنا دیا۔ نظام الملک نے ملک شاہ کے تمام مخالفین کو زیر کیا۔ تہذیب وثقافت، خوش حالی اور فارغ البالی کے لحاظ سے ملک شاہی عہد نے تاریخ اسلام میں جو ممتاز درجہ حاصل کیا ہے وہ نظام الملک ہی کے حسن تدبیر کا نتیجہ ہے۔

سلجوقی فرمانرواؤں کے علاوہ ہم عصر عباسی خلیفہ مقتدر باللہ بھی نظام الملک کا بے حد گرویدہ تھا۔ خلیفہ نے اپنی شادی کے موقعہ پر سلجوقی وزیر کو خلعتِ فاخرہ عطا کی جس پر "وزیر عالم عادل نظام الملک رضی المومنین" طراز تھا اور شادی کے جلوس میں صرف نظام الملک کو سواری پر چلنے کی اجازت دی گئی تھی دیگر تمام عمائدین اور رؤسا پا پیادہ تھے۔ خطابات کی طویل فہرست سے نظام الملک کی بلند شخصیت نیز دوسروں کے دلوں میں اس کے احترام کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ چند خطابات یہ ہیں وزیر کبیر، خواجۂ بزرگ، تاج الحضرتین، قوام الدین وغیرہ وغیرہ۔ یہ خطابات صرف خلفاء اور سلاطین ہی نے نہیں دیئے بلکہ ہم عصر علماء نے بھی نظام الملک کی اعلیٰ خدمات کو سراہنے اور اپنی محبت کا اظہار کرنے کی غرض سے بہت سے القاب دے رکھے تھے حتیٰ کہ امام غزالیؒ کے استاد امام الحرمین الجوینیؒ نے اسے سید الوریٰ مؤید الدین، مستخدم للسیف والقلم کے القاب سے نوازا ہے۔

نظام الملک خود عالم وفاضل ہونے کے ساتھ ساتھ علماء کا بڑا قدردان تھا۔ اس کے دربار میں زمانے بھر کے چوٹی کے علماء کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ جن کی عزت کرنے میں اس نے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ اسے علم سے اس قدر شغف تھا کہ تقریباً تمام بڑے بڑے شہروں میں مدرسے قائم کیے ان مدارس میں نظامیہ بغداد نے بڑی شہرت پائی۔ جس کی مسندِ درس کو ابن الخطیب ابواسحٰق اور غزالی جیسی ہستیوں نے زینت دی بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ان حضرات نے اسی مدرسہ کے ذریعہ شہرت حاصل کی۔ اس مدرسہ کی عمارت دو سال میں دو لاکھ دینار (تقریباً

دس لاکھ روپیہ) کی لاگت سے تیار ہوئی۔ ان مدارس کے اخراجات کا ایک بڑا حصہ نظام الملک اپنی جیب خاص سے دیتا تھا۔ مدارس کے علاوہ رفاہِ عامہ کے بہت سے کام نظام الملک نے انجام دیئے۔ بے شمار مسجدیں بنوائیں اس کے تعمیر کردہ حوضوں، تالابوں اور حاجیوں کی فرودگاہوں کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس کی عدل گستری اور غربا نوازی کے واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے ہوئے ہیں۔

ملک شاہ کے وزیر کی حیثیت سے نظام الملک نے بیس سال تک خدمات انجام دیں۔ ملوکیت میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ ایک شخص کی چشم خشم آلودہ بڑے سے بڑے آدمی کا کام تمام کر دیتی ہے۔ پھر جو شخص کہ اپنے فضل و کمال کے ذریعہ بامِ عروج تک پہنچ جاتا ہے اس کے بے شمار حاسد بھی پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ ہر وقت اسی بات کے درپے رہتے ہیں کہ جونہی کوئی مناسب موقع ہاتھ لگے بادشاہ کے کان بھر کر اس کو بلند عہدے سے ہٹا دیں۔ اور بادشاہ بھی چونکہ اس کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے خوف زدہ رہتا ہے اس لیے وہ حاسدوں کی باتوں پر کان دھرتا ہے اور ان کے لگائے ہوئے الزامات کو صحیح سمجھتا ہے۔ پھر جانشینی کا سوال جس کے لیے مسلمانوں میں کوئی مقررہ قاعدہ نہ تھا اکثر اعلیٰ عہدیداروں کے زوال کا سبب بنا خصوصاً اس وقت جب کہ بادشاہ کی کوئی چہیتی بیوی اپنے نااہل بیٹے کو ولیعہد مقرر کرانے کے لیے کوشاں ہو۔ ایسی صورت میں مخالفت زبردست سازش کو جنم دیتی ہے۔ جس کے شکار اکثر بڑے بڑے لوگ ہو گئے ہیں۔ یہی حشر برامکہ کا ہوا۔ حاسدوں کی ریشہ دوانی، خلیفہ کی بداعتمادی، ہارون کی عزیز بیوی زبیدہ کی امین کو ولیعہد نامزد کرنے کی کوشش اس اعلیٰ خاندان کی ہلاکت اور اس کی عبرت ناک تباہی کا سبب بنی۔ بعینہٖ یہی حالات نظام الملک کو پیش آئے۔ اس کے اختیار و اقتدار کو دیکھ کر حاسدین گھات میں لگے ہوئے تھے۔ ملک شاہ کی بیوی ترکان خاتون اپنے کمسن بیٹے کو جانشین نامزد کرانا چاہتی تھی نظام الملک جیسا مدبر اس تجویز پر صاد کیسے کر سکتا تھا۔ اس تمام کش مکش کا نتیجہ نظام الملک کی معزولی کی صورت میں نکلا۔ معزولی کے چند ماہ بعد بادشاہ کے ساتھ بغداد جاتے ہوئے نہاوند کے مقام پر اسے قتل بھی کر دیا گیا۔ اکثر مورخین اس قتل کی ذمہ داری حسن بن صباح پر ڈالتے ہیں۔ جس کی باطنی تحریک پر اس نے ضرب کاری لگائی تھی اور اپنی تصانیف میں نہایت سخت تنقید کی تھی۔ کچھ اس قتل میں ترکان خاتون اور تاج الملک (وزیر جو نظام الملک کا جانشین ہوا تھا) کا ہاتھ دیکھتے ہیں۔ مورخین کا ایک گروہ ملک شاہ پر شبہ کرتا ہے۔ وجہ کچھ بھی رہی ہو بہرحال یہ نامور وزیر ۷۷ سال کی عمر میں ۴۸۵ھ مطابق ۱۰۹۱ء میں اس دار فانی سے کوچ گیا۔

تصانیف:

دو ہی کتابیں نظام الملک کے نام سے منسوب کی جاتی ہیں ایک سیر الملوک جو سیاست نامہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے اور دوسری مجمع الوصایا یا دستور الوزراء۔ اول الذکر کتاب نظام الملک کی وفات سے چند ماہ پیشتر لکھی گئی تھی

اس کتاب کی وجہ تصنیف کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ملک شاہ سلجوق نے اپنے درباریوں اور مشیروں سے فرمائش کی کہ ہر شخص اس امر کی وضاحت میں ایک کتاب لکھے کہ اصول جہانداری کیا کیا ہیں۔ نیز یہ بتلائے کہ موجودہ نظام حکومت میں کیا کیا خامیاں ہیں اور کون کون سی بدعتیں اس نظام میں راہ پاگئی ہیں اور اگلے زمانے کے کون سے عمدہ اصول ہیں جو ترک کر دیئے گئے ہیں۔ ان سوالات کے جواب میں نظام الملک نے یہ کتاب لکھی۔ ابتداءً یہ کتاب ۳۹ ابواب پر مشتمل تھی جس کے تمام باب نہایت مختصر تھے۔ بادشاہ نے اسے بےحد پسند کیا اور اسی کو اپنی حکومت کا دستور قرار دیا۔ نظام الملک نے بعد میں گیارہ ابواب کا اضافہ کیا اور بیان کردہ اصول کی وضاحت بھی کی۔ اس طرح یہ کتاب اس کے قتل سے چند دن پہلے مکمل ہوئی۔ وہ خود کہتا ہے کہ بغداد کے آخری سفر پر روانہ ہونے سے پہلے کتاب کے مسودہ کو صاف کرنے کے لیے شاہی کتب خانہ کے کاتب محمد مغربی کو دیا گیا اور اسے تاکید کر دی کہ اگر اس سفر کی واپسی تک اس کی زندگی وفا نہ کرے تو وہ اس کتاب کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دے۔ نظام الملک کا اندیشہ صحیح نکلا اور وہ بغداد پہنچنے سے پہلے ہی نہاوند میں قتل کر دیا گیا۔ اور یہ کتاب اس کے مرنے کے بعد شائع ہوئی۔

سیاست نامہ میں سیاسیات کے ہر ہر پہلو سے بحث کی گئی ہے۔ بادشاہ کے اوصاف و فرائض کا تفصیلی ذکر ہے۔ وزراء اور دیگر عہدیداروں کے فرائض اور ان کی اہلیت کی شرائط بھی زیر بحث آئی ہیں۔ فتنہ و فسادات کے اسباب پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اسمٰعیلی اور باطنی فرقوں کی ابتدا اور ان کی اسلام دشمنی کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ اور اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسمٰعیلی فرقے کے عقائد کی بنیاد مزدکی مذہب پر ہے جس نے اشتراکیت کے اصول پر ایک نیا مذہب جاری کیا تھا اور نوشیرواں عادل نے اسے قتل کرا دیا تھا۔

سیاست نامہ کی وضاحت کے سلسلہ میں فارسی ادب و تنقید کے ماہر براؤن کا قول نقل کر دینا کافی ہے۔ وہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "تاریخ ادب فارسی" (LITERARY HISTORY OF PERSIA) میں لکھتا ہے: "میرے خیال میں سیاست نامہ فارسی نثر کی سب سے زیادہ قیمتی اور دلچسپ کتابوں میں سے ایک ہے۔ اوّل اس لیے کہ اس میں تاریخی واقعات کا نادر ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے اور دوئم اس لیے کہ کتاب کے ذریعہ حکومت کے متعلق سب سے بڑے وزیر کے خیالات تک رسائی ہوتی ہے جس کی قوت اور فراست کا اندازہ لگانے کے لیے صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ اس کے مرتے ہی فتنہ و فساد کا دروازہ کھل گیا۔" اہل یورپ نے اس کتاب کی بڑی قدر کی ہے۔ اس کا ترجمہ تقریباً تمام یورپی زبانوں میں کیا جا چکا ہے۔ لیکن یہ شرف مشرقی زبان کی چند ہی کتابوں کو نصیب ہو سکا۔

ایک اور کتاب مجمع الوصایا یا دستور الوزراء بھی نظام الملک کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اگرچہ اس کتاب کا طرزِ بیان اور موضوع دونوں ہی سیاست نامہ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں تاہم ماہرینِ تاریخ ادب کا خیال ہے کہ یہ کتاب نظام الملک کے انتقال کے تین چار سو سال کے بعد فخر الدین حسن بن تاج الدین کے واسطے لکھی گئی ہے۔ اس کا

مؤلف اس بات کا دعویدار ہے کہ وہ نظام الملک کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور اس نے اپنے جد امجد کے خیالات کو جو اس تک پہنچے ہیں نہایت دیانتداری کے ساتھ اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ دستور الوزراء کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں نظام الملک اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے کہ وزارت کے پُر از خطرات عہدے سے دُور بھاگنا چاہیئے اس کی وضاحت کی غرض سے وزیر داں کو جن خطرات سے دوچار ہونا پڑتا ہے ان کو ایک ایک کر کے گنایا گیا ہے۔ اپنے ذاتی واقعات مثال کے طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ دوسرے حصہ میں وزیروں کے فرائض سے بحث کی گئی ہے اور ان کی انجام دہی کے طریقے بھی بتلائے گئے ہیں۔

اسلوب بیان وطرز استدلال

نظام الملک کا اسلوب بیان نہایت سادہ اور واضح ہے۔ عام فہم الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ عبارت پیچیدگی سے پاک ہے۔ عام بول چال کے طریقے کو اپنایا گیا ہے جس میں کسی قسم کی آرائش اور تکلف کو دخل نہیں ہے۔ مسجع اور مقفی عبارت نہ تو سیاست نامہ ہی میں ملتی ہے اور نہ دستور الوزراء میں۔ سادگی اور پُرکاری کے لحاظ سے بھی سیاست نامہ کو تاریخ نثر فارسی میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

نظام الملک کے طرز استدلال کو تاریخی کہنا نہایت مناسب ہوگا۔ تین صدی بعد یہی طرز ابن خلدون نے اپنایا۔ سیاست نامہ کا مصنف ہر بات کی ابتدا میں اصول بیان کرتا ہے۔ پھر ان اصولوں کو تاریخی شواہد کے ذریعہ ثابت کرتا ہے۔ زیادہ واقعات تاریخ بغداد ہی سے لئے گئے ہیں۔ غیر مسلموں کے تاریخی حوالے بھی بہت دیئے گئے ہیں۔ ترکوں اور ایرانیوں کی قدیم تاریخ سے بھی اپنے نظریات کو ثابت کیا ہے۔ مثلاً جہاں وہ ملک شاہ کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ مظلوم اور فریادی کو بغیر کسی روک ٹوک کے بادشاہ تک رسائی حاصل کرنے کے انتظامات کرنے چاہئیں وہ اس سلسلہ میں ساسانی بادشاہوں کے دربار کا ذکر کرتا ہے کہ ایرانی بادشاہ سال میں دو بار دربار عام منعقد کرتے تھے جس میں ہر کس وناکس باسانی اشرکت کر سکتا تھا۔ اگر کوئی کسی فریادی کو دربار میں حاضر ہونے سے روکنے کی کوشش کرتا تو اسے سزائے موت دی جاتی تھی۔ بادشاہ کے لیے انصاف کی اہمیت واضح کرنے کے لیے اس نے ایرانی بادشاہ دارا کے آخری الفاظ نقل کئے ہیں "بادشاہ کی لاپرواہی اور وزیر کی بد دیانتی سلطنت کے زوال کے حقیقی سبب تھے" نظام الملک نے ایران کے علاوہ چینی تاریخ سے بھی بہت سے واقعات بطور سند پیش کئے ہیں۔

تاریخی واقعات کے پیش کرنے میں نظام الملک نے نہایت غیر جانبداری سے کام لیا ہے۔ حتیٰ کہ سلجوقیوں کے حریف غزنویوں کے طرز عمل سے بھی استدلال کرتا ہے۔ بادشاہ کو جب وہ یہ مشورہ دیتا ہے کہ ادنیٰ و اعلیٰ، اپنے و غیر میں کوئی تمیز نہ برتے تو محمود غزنوی کا واقعہ بیان کرتا ہے کہ کسی نے ولیعہد مسعود کے خلاف بادشاہ کے پاس قرض کی عدم ادائیگی کی شکایت کی تو سلطان نے اس کی زجر و توبیخ کی اور کہا کہ وہ اگر جلد قرض ادا نہ کر دے گا تو اسے ایک عام

مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں حاضر ہونا پڑے گا۔

نظام الملک کے پیش کردہ تاریخی واقعات میں سے چند کی صحت پر مورخین نے شبہ کا اظہار کیا ہے۔ چند ایک مقامات پر اس نے تاریخی حقائق کے خلاف واقعات بیان کیے ہیں۔ مثلاً اس نے لکھا ہے کہ صفاری فرماں روا یعقوب بن لیث نے عباسی خلیفہ معتمد (۸۷۰ء تا ۸۹۱ء) کو یہ دھمکی دی کہ وہ مہدیہ سے فاطمی خلیفہ کو بغداد پر حملہ آور ہونے کی دعوت دے گا حالانکہ مہدیہ شہر اس واقعہ کے بیسیوں برس بعد آباد کیا گیا۔ اسمٰعیلیوں کے سلسلے میں ایسی غلطیاں بہت عام ہیں۔

تاریخ کے علاوہ سیاست نامہ میں قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے بھی اپنے نظریات کے ثابت کرنے میں مدد لی گئی ہے۔ عدل کی اہمیت واضح کرنے کے لیے وہ قرآنی آیات جن میں مسلمانوں کو انصاف کرنے کا واضح حکم دیا گیا ہے انہیں نظام الملک بطور سند پیش کرتا ہے۔ ساتھ ہی احادیث بھی بیان کرتا ہے جن میں عدل کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور انصاف کے فوائد گنوائے گئے ہیں۔ قرآن و احادیث کے علاوہ نظام الملک اکثر اولیاء و صوفیاء کے اقوال بھی بطور دلیل نقل کرتا ہے۔ اس نے عدل ہی کی اہمیت میں فضیل بن عیاض کا یہ زریں مقولہ بیان کیا ہے کہ اگر میری دعا قبول ہوتی تو میں خداوند تعالیٰ سے صرف یہ دعا کرتا کہ خدایا منصف بادشاہ عنایت کر۔ جہاں بادشاہ کو علماء سے مشورہ لینے کی تاکید کرتا ہے وہ سفیان ثوری کا قول دہراتا ہے کہ بہترین بادشاہ وہ ہے جس کے مصاحب علماء ہوں اور بدترین عالم وہ ہے جو بادشاہوں کا ہم نشین ہو۔

سیاسی نظریات

نظام الملک ایک سیاسی مفکر کی حیثیت سے وہ اعلیٰ مقام رکھتا ہے جہاں تک متقدمین اور متاخرین میں سے کوئی بھی نہ پہنچ سکا۔ اس کی عمر کا بیشتر حصہ سیاسی اور تنظیمی گتھیوں کے سلجھانے میں بسر ہوا۔ الپ ارسلان اور ملک شاہ جیسے نامور سلجوقی سلاطین کے زمانے میں کاروبارِ مملکت کی انجام دہی کا بار نظام الملک ہی کے کاندھوں پر تھا۔ اسی لیے وہ عملی سیاست میں جس قدر مہارت رکھتا تھا دوسرے مفکرین کے حصے میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں آیا۔ دوسرے مفکرین کی حیثیت سیاست میں تماشہ بینوں سے زیادہ نہ تھی۔ جہاں تک کہ تدبر و سیاست کا تعلق ہے تقریباً تمام مفکرین اس سے غیر متعلق رہے۔ فارابی سیف الدولہ کی حاشیہ نشینی سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ماوردی نے ساری عمر فصل خصومات میں گزار دی۔ غزالی سدا درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور سیر و سیاحت ہی میں مشغول رہے۔ متاخرین میں ابن خلدون کتابت اور معلمی سے لے کر قضاء کے عہدوں کے درمیان چکر لگاتا رہا۔ جوڑ توڑ اور سازشوں کا البتہ اسے کافی تجربہ ہوا لیکن نظم و نسق، تدبر و سیاست سے بے بہرہ رہا۔ برخلاف اس کے نظام الملک کاروبارِ مملکت کی انجام دہی میں محو رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حکومت کے تمام نشیب و فراز سے کماحقہ واقفیت رکھتا ہے۔ وہ سیاسیات کے متعلق جب لب کشائی کرتا ہے تو سنی سنائی نہیں کہتا ہے یا کوئی ایسی بات نہیں لکھتا جو قابلِ عمل نہ

ہو بلکہ سیاست نامہ جو اس کی عمر کے آخری سال لکھا گیا ہے وہ اس کی تیس سالہ عملی سیاست کا نچوڑ ہے۔

مقتدرِ اعلیٰ

گیارھویں صدی میں عباسی خلفاء بالکل مسلوب الاختیارات تھے۔ وہ سلاطین کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ خلفاء کا دائرۂ اختیار مذہبی امور ہی تک محدود تھا۔ سیاست اور حکومت پر یہ سلاطین قابض تھے۔ اس طرح سے تقسیم اقتدار نے دو عملی حکومت کو جنم دے دیا تھا۔ اس زمانے کے سیاسی مفکرین میں ماوردی وغیرہ خلیفہ کی بالادستی قائم کرنا چاہتے تھے اور خلافت کو اسلامی اصول کے مطابق قائم کرنے کے خواہاں تھے جس میں خلیفہ کا انتخاب شوریٰ کے ذریعے کیا جاتا ہے اور عوام امام کو اسلامی قوانین سے منحرف ہونے کی صورت میں برطرف بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن ان زریں اصول کی وقعت عملی دنیا میں کچھ نہیں رہ گئی تھی۔ نظام الملک ماوردی کی طرح خیالی دنیا میں نہیں رہتا تھا اس لیے اس نے حقائق سے چشم پوشی نہیں کی۔ وہ اپنے زمانے کے حالات سے مکمل واقفیت رکھتا ہے۔ دوسری طرف وہ جوشِ اسلام سے سرشار نظر آتا ہے۔ اس پر تسنن کا غلبہ اس قدر ہے کہ نظم و نسق میں کسی غیر سنی کو برداشت کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے تیس سالہ سیاسی تجربات کی بنا پر مادی اختیارات خلیفہ کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں بلکہ سلطان ہی اس کے نزدیک مختارِ کل ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ ماوردی وجوبِ امامت کے لیے جو دلائل پیش کرتا ہے لفظ بلفظ وہی دلیلیں نظام الملک سلطان کی ضرورت ثابت کرنے کے لیے دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیتا ہے اور نظم و نسق اور مخلوق کی فلاح و بہبود کا کام اس کے سپرد کر دیتا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اس شخص کا رعب ڈال دیتا ہے تاکہ لوگ اس کے عدل کے سایہ میں امن و امان کی زندگی گزار سکیں۔ اس طرح نظام الملک کے نزدیک بادشاہ مامور من اللہ ہوتا ہے اور اسی لیے بادشاہ عوام کے سامنے جوابدہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی عوام کو کسی حالت میں یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بادشاہ کو معزول کر سکیں۔ اس کے نزدیک اچھے یا برے فرمانروا رعایا کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ وہ کہتا ہے اگر رعایا احکامِ شریعت پر عمل پیرا ہو اور اس کے مقرر کردہ راستے پر گامزن ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر عادل و منصف فرماں روا مقرر نہ کرے۔ جب بھی کوئی ظالم و جابر شخص تاج و تخت کا مالک بن جاتا ہے تو اس کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں ہوتی کہ رعایا بے راہ رو اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمان ہوتی ہے۔ نظام الملک کا کہنا ہے کہ جب لوگ شرعی احکامات کی خلاف ورزی کرنا شروع کر دیتے ہیں یا خدا کے عائد کردہ فرائض سے پہلو تہی کرنے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی کا اظہار ظالم بادشاہ کو مسلط کر کے فرماتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فسادات عام ہو جاتے ہیں خونریزی اور لوٹ مار بڑے پیمانے پر شروع ہو جاتی ہے۔ طاقت ور آدمی سیاہ و سفید کا مالک بن بیٹھتا ہے اور من مانے طریقے سے حکمرانی کرنے لگتا ہے۔ اس عذاب میں متقی و فاسق دونوں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ ظالم بادشاہ کے برسرِ اقتدار آجانے کی ذمہ داری وہ عوام پر رکھتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ ظالمانہ نظام کب اور کس

طرح ختم ہو جاتا ہے اس کے متعلق اس کی رائے ہے کہ کچھ دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ کا رحم پھر جوش میں آتا ہے اور وہ کسی نیک اور فرمانبردار آدمی کو بادشاہت عطا کرکے اسے عقل وذہانت سے مالا مال کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ امور سلطنت کو بحسن وخوبی انجام دیتا ہے۔ اور اس طرح ظالمانہ دور ختم ہو کر اللہ تعالےٰ کی خواہش کے مطابق عادلانہ نظام قائم ہو جاتا ہے۔

نظام الملک کے اس نظریۂ اقتدار اعلیٰ سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ بادشاہ کے خداداد حقوق (DIVINE RIGHT OF KING) پر عقیدہ رکھتا ہے سخت غلطی ہوگی۔ جہاں تک کہ بادشاہ اور عوام کا تعلق ہے وہ بادشاہ کو مطلق العنان سمجھتا ہے لیکن دوسری طرف وہ بادشاہ پر بے شمار پابندیاں عائد کرکے اس کے ہاتھ پیر باندھ دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے مطلق العنانی کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہ جاتا ہے۔ سب سے بڑی پابندی بادشاہ پر شرعی احکامات کی تعمیل ہے۔ پھر قیام عدل پر اس نے بہت زیادہ زور دیا ہے۔ جس میں شاہ وگدا اور آقا وغلام کی تمیز باقی نہیں رہ جاتی۔ وہ سلطان کو قانون سے بالاتر نہیں کہتا۔ عدل کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے وہ قرآنی آیات واحادیث نبوی پیش کرتا ہے۔ مسلم وغیر مسلم اقوام کی تواریخ سے مثالیں دیتا ہے۔ اولیائے کرام کے اقوال سے سند لاتا ہے اور بادشاہ کو بار بار یاد دلاتا ہے کہ رعایا کے ساتھ اگر وہ ظالمانہ برتاؤ کرے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو اسے جوابدہ ہونا پڑے گا۔

ممکن ہے کہ کچھ لوگ بیسویں صدی میں نظام الملک کے اس نظریۂ سے اتفاق نہ کریں۔ لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اس زمانہ میں جب عوام کو بادشاہ کے نصب وعزل کے وسیع اختیارات دیئے گئے تو نظم ونسق پر ان کا اچھا اثر نہیں پڑا۔ جس کا بیّن ثبوت قرونِ وسطیٰ میں انگلینڈ کے بادشاہ اور عوام کی منتخب کردہ پارلیمنٹ کی کش مکش کی طویل تاریخ ہے۔

بادشاہ کے اوصاف

نظام الملک بادشاہ کے اوصاف کی ایک طویل فہرست پیش کرتا ہے۔ وہ پہلا مفکر ہے جس نے بادشاہ میں حسنِ صورت کو بھی ایک ضروری صفت قرار دیا ہے ورنہ اس سے پہلے کے مفکرین سلامتی اعضاء اور حواس ہی کو ضروری سمجھتے تھے۔ نظام الملک حسنِ صورت کے ساتھ حسنِ سیرت پر بھی زور دیتا ہے۔ بادشاہ کی سیرت میں وہ جذبۂ انصاف شجاعت وبلند حوصلگی اور مجاہدانہ روح کو لازمی عنصر قرار دیتا ہے۔ وہ بادشاہ کو نظری اور عملی دونوں لحاظ سے مذہب کا ایک جامع نمونہ دیکھتا ہے۔ اسی لیے اس کے نزدیک جہاں بادشاہ کو راسخ العقیدہ اور قوی الایمان ہونا ضروری ہے وہاں شرعی احکامات پر عمل بھی لازمی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بادشاہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو اور علماء وفضلاء کا قدردان اور غریبوں کا ہمدرد ہو۔ خیرات وزکوٰۃ پابندی سے ادا کرتا ہو۔ دل کا سخی ہو۔ وہ ہمیشہ مفلسوں کی خبر گیری کرتا رہے اور عوام کی فلاح وبہبود کے لیے سرگرم عمل ہو۔

مسلمان سیاسی مفکرین میں یہ مسئلہ ہمیشہ متنازع فیہ رہا ہے کہ بادشاہ یا امام کی علمی لیاقت کتنی ہونی چاہیے۔ ماوردی کا خیال ہے کہ امام شرعی علوم میں نہ صرف ماہر ہو بلکہ اس میں اجتہاد کرنے کی صلاحیت بھی پائی جاتی ہو اور

وہ پیچیدہ سے پیچیدہ مقدمات کے فیصلے صادر کرنے کا بھی اہل ہو۔ برخلاف اس کے غزالی کا کہنا ہے کہ خلیفہ کے لیے شرعی علوم سے واقفیت ہی کافی ہے اس میں مجتہدانہ صلاحیتوں کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ نظام الملک بھی غزالی کا ہم نوا ہے۔ وہ بھی بادشاہ کے لیے عالم و فاضل ہونا ضروری نہیں سمجھتا۔ اس کے نزدیک صرف یہ ضروری ہے کہ بادشاہ میں علوم و فنون کا ذوق موجود ہو اور وہ علماء، فضلاء اور صوفیاء کا احترام کرے۔ فقہاء و علماء کو اپنی محفل میں شریک کرے۔ ہفتہ میں ایک یا دو بار انہیں بلا کر ان سے قرآنی آیات کی تفسیر اور فقہی مسائل سنے۔ نظام الملک کا خیال ہے کہ اس طریقہ پر عمل پیرا ہونے سے بادشاہ کی جہالت کا خاتمہ ہو جائے گا اور اس کے پاس مذہبی معلومات کا ایک قیمتی ذخیرہ علماء سے سن کر جمع ہو جائے گا۔ اسی لیے وہ بادشاہ کے لیے حافظہ کا قوی ہونا ضروری بتلاتا ہے تاکہ اس طرح سے علماء کی زبانی سُنی ہوئی باتیں اسے یاد ہو جائیں اور وہ ان کی روشنی میں امورِ مملکت کو انجام دے سکے اور اسلامی طریقہ سیاست کو اپنا سکے۔ لیکن جن فرماں رواؤں نے نظام الملک کے اس مشورہ پر عمل کیا وہ بہت ہی کم اپنے دین و دنیا کو سنوار سکے ہیں۔ ہمارے سامنے دو بادشاہ ہیں۔ ایک بہت عالم تھا اور دوسرا جاہل۔ جب ان دونوں نے علماء کی صحبت اختیار کی تو ان میں سے ایک نے معتزلی عقائد کو نہ صرف اپنایا بلکہ اس نے اپنی تمام رواداریوں کو بالائے طاق رکھ کر ان عقائد کو بالجبر عوام پر ٹھونسنے کی کوشش کی ہماری مراد مامون الرشید سے ہے۔ اور دوسرا فرماں روا اکبر اعظم تھا جس نے خود اسلام سے متنفر ہو کر ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنے کی کوشش کی۔

فرائض

نظام الملک بادشاہ کے فرائض میں دینی اور دنیاوی امور کی انجام دہی کو شامل کرتا ہے۔ اس کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ دین کی حمایت کرے اور اغیار کے حملے سے اس کو محفوظ رکھے۔ وہ قیامِ عدل کو اہم ترین فریضہ کہتا ہے۔ سیاست نامہ میں بارہا عدل کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ عدل کے ذریعے بادشاہ کو دوہرا فائدہ پہنچتا ہے۔ اوّل یہ کہ بادشاہت اس کے خاندان میں مستحکم ہو جاتی ہے کیونکہ منصف بادشاہ کی حکومت پائدار ہوتی ہے اور اس کے بعد اس کی اولاد میں قائم رہتی ہے۔ ظالم بادشاہ اگرچہ رعایا کی بداعمالی کا نتیجہ ہوتا ہے لیکن وہ زیادہ عرصہ تک تاج و تخت کا مالک نہیں رہ سکتا ہے۔ کیونکہ بہت جلد ہی اللہ تعالیٰ اپنے کسی نیک بندے کو مامور کر کے اسے حکومت سے بے دخل کرا دیتا ہے۔ انصاف سے بادشاہ کو دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اسے اجرِ عظیم دے گا۔

نظام الملک کا کہنا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بادشاہ سے بازپرس کرے گا۔ اور بادشاہ کو اللہ تعالےٰ کے روبرو ایک ایک چیز کا حساب و کتاب دینا ہوگا۔ اس لیے اسے اپنے فرائض دوسروں کے حوالہ نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ امورِ مملکت خود ہی انجام دینا چاہیئے۔ لیکن چونکہ تمام کام خود کرنا عملاً و عقلاً محال ہے اس لیے اس کا یہ بھی فرض ہے کہ قابلِ اعتماد افراد کو تلاش کرے اور ان کی اہلیت اور صلاحیت کے اعتبار سے حکومت کے مختلف کام سپرد کرے۔ لیکن اس

کے بعد بھی بادشاہ کا فرض ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً عمال و ولایا کو ہدایت نامے جاری کرتا رہے کہ وہ رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور قانون کے مطابق ان سے ٹیکس وصول کریں۔ اور اس سے سرِ مو انحراف نہ کریں۔ اس کے نزدیک بادشاہ کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ عمال حکومت پر کڑی نظر رکھے تاکہ وہ رعایا کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ نہ کرسکیں۔ وہ بار بار فرماں رواؤں کو آگاہ کرتا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو اسے خداوند رب العزت کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔

اختیارات

نظام الملک اگرچہ بار بار تاکید کرتا ہے کہ بادشاہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات ہی کے مطابق کام کرے تاہم وہ اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہے کہ قرآن و احادیث میں صرف اصولی اور بنیادی امور مذکور ہیں۔ اس لیے وہ خاص حالات میں بادشاہ کو اس بات کا اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنی صوابدید سے احکامات جاری کرے۔ لیکن اس سلسلے میں وہ چند ہدایات بھی دیتا ہے کہ ان احکامات کے اجرا سے پہلے ان کے تمام پہلوؤں پر خوب اچھی طرح سے غور و خوض کر لینا ضروری ہے اور تجربہ کار اور دانا لوگوں کی رائے بھی ان کے متعلق معلوم کر لینی چاہیئے۔ لیکن جب یہ احکامات جاری کر دیئے جائیں تو ان پر نہایت سختی سے عمل کیا جائے اور ان کی خلاف ورزی کرنے والوں سے کسی حالت میں بھی درگزر سے کام نہ لیا جائے۔ جو شخص بھی ان قوانین کی خلاف ورزی کرے یا ان کی اہانت کرے یا عوام میں ان کے نقائص بیان کرے یا انہیں بدنام کرنے کی کوشش کرے تو ایسے شخص کو سخت سے سخت سزا دی جائے قطع نظر اس سے کہ وہ شاہی خاندان ہی سے تعلق رکھتا ہو یا کوئی عام آدمی ہو۔

بادشاہ کے لیے قانون سازی اور ان کے اجرا کے طریقے جو نظام الملک نے بیان کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ کو من مانے احکامات کے جاری کرنے سے روکتا ہے۔ دانا اور تجربہ کار لوگوں سے مشورہ لینے کی تاکید کرکے وہ بہت حد تک جمہوری نظام کے قیام کی طرف رہنمائی کرتا ہے تاہم وہ رعایا کو ان قوانین پر رائے زنی کرنے اور ان کے نقائص کو ظاہر کرنے کا حق نہیں دیتا۔ اس کے نزدیک رعایا کو قوانین کے حسن و قبح کے متعلق غور کرنے کا حق حاصل نہیں۔ بلکہ رعایا کا یہ فرض ہے کہ بادشاہ کے جاری کردہ احکامات کی آمنا و صدقنا کہہ کر تعمیل کرے۔ نظام الملک کے ان خیالات پر ناک بھوں چڑھانے کے بجائے ہمیں یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ گیارھویں صدی عیسوی میں بادشاہوں کی مطلق العنانی کو ختم کر دینے کے سلسلے میں اس سے زیادہ اقدام ممکن نہ تھا۔

وزارت

دستور الوزراء میں نظام الملک وزارت کو نہایت خطرناک عہدہ بتلاتا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو پُر زور الفاظ میں تاکید کرتا ہے کہ اس پُر از خطر عہدے کو قبول کرنے سے احتراز کرے۔ وہ نہایت تفصیل کے ساتھ ان خطرات کی نشاندہی کرتا ہے جن سے وزیروں کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کے نزدیک وزیروں کو چونکہ روزانہ بہت سے مقدمات کے

فیصلے صادر کرنے ہوتے ہیں۔ اس لیے ذراسی بداحتیاطی سے حق تلفی اور ظلم کا ارتکاب ہوجاتا ہے۔ اس لیے وزیر کو ظلم کے خطرے سے بچنے کے لیے نہایت پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود کوئی نہ کوئی زیادتی اور حق تلفی اس سے سرزد ہوجاتی ہے۔ نظام الملک کے نزدیک ظلم سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس نے اپنے طویل عہدِ وزارت میں قیامِ عدل کا زبردست اہتمام کیا تھا۔ سبکی نے طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ ہر شخص بغیر روک ٹوک کے نظام الملک تک پہنچ سکتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک عورت فریاد لے کر آئی۔ نظام الملک اس وقت دسترخوان پر بیٹھا ہوا تھا دربانوں نے اس عورت کو اندر جانے سے روک دیا۔ وزیر کو جب خبر ہوئی تو اس نے ان دربانوں کو بہت ڈانٹا اور کہا کہ میں نے تم لوگوں کو اس لیے مقرر کیا ہے کہ غریب فریادیوں کی مدد کرو۔ سبکی کے علاوہ نظام الملک کے اور سوانح نگار بھی اس کی معدلت گستری کے عجیب وغریب واقعات بیان کرتے ہیں۔

ظلم کے سرزد ہوجانے کے علاوہ وزیر کے لیے دوسرا خطرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اکثر ایک شخص کو خوش کرنے کے لیے ہزاروں آدمیوں کو اپنا دشمن بنا لیتا ہے۔ پھر وزیر کے طریقۂ کار اور اس کی پالیسی سے عمائدین اور سربرآوردہ لوگوں کی ناراضگی کا خطرہ تو ہر وقت لگا ہی رہتا ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر وزیر کی زندگی جان جوکھوں کی زندگی ہے۔ اسے ہر وقت بادشاہ کی خدمت میں رہنا پڑتا ہے۔ اس لیے اسے بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ایک ایک لفظ خوب ناپنے اور تولنے کے بعد زبان پر لانا چاہیئے کیونکہ خلافِ مصلحت ایک لفظ بھی منہ سے نکل جانے کی صورت میں اس کے تمام کئے دھرے پر نہ صرف پانی پھر جاتا ہے بلکہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو لینے کی نوبت آجاتی ہے۔ اس خطرہ میں نظام الملک خود گرفتار ہو کر اس جلیل عہدے سے برطرف کیا گیا تھا۔ ملک شاہ نے نظام الملک سے اس کے خاندان والوں کی دست درازیوں اور زیادتیوں کی شکایت کی تو اس نے کہلا بھیجا "اگر سلطان کو اب تک معلوم نہیں تو اسے معلوم ہوجانا چاہیئے کہ بیشک میں حکومت میں اس کا شریک ہوں۔ اس کو تخت وتاج میری ہی تدبیروں سے ملا ہے۔ کیا وہ بھول گیا کہ اس کے باپ کے مرنے کے بعد میں نے ہی مخالف قوتوں کو زیر کر کے ملک کو پاک وصاف کیا۔ اس وقت اس نے میرے کسی کام کی مخالفت نہیں کی بلکہ وہ مجھ سے چمٹا رہا۔ اب امورِ سلطنت اس کے قابو میں آگئے ہیں اور اس کا کوئی مخالف نہیں رہا ہے تو وہ میرے گناہ گنا تا ہے اور دوسروں سے میری چغلی سنتا ہے۔ اس سے جاکر کہہ دو کہ اس کا تاجِ سلطنت میرے قلمدانِ وزارت کے ساتھ وابستہ ہے جب یہ اُلٹے گا تو تاج بھی باقی نہ رہے گا۔" انہیں الفاظ نے اس کی تیس سالہ زریں خدمات پر پانی پھیر دیا۔

وزیر کا ماتحت عملہ سے براہِ راست تعلق ہوتا ہے اس لیے اعلیٰ افسروں کی ناراضگی کا ہر وقت اندیشہ رہتا ہے۔ نظام الملک کا کہنا ہے کہ یہ افسر اگرچہ وزیر ہی کے خاندان کے ہوں تو بھی وزیر ان کی مخالفت کے خطرے سے محفوظ نہیں رہتا۔

فرائض

طوسی وزارت کے خطرات سے بیٹے کو آگاہ کرنے کے بعد وزیر کے فرائض بھی بتلاتا ہے۔ ان فرائض میں سرِفہرست وہ حفاظتِ دین کو رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بعد بادشاہ کی فرمانبرداری بھی وزیر کا فریضہ ہے۔ اسے عوام کی فلاح و بہبود کا خاص خیال ہونا چاہیئے۔ اور ایسے افراد جو بادشاہ کے دوست ہوں اور روزانہ آمدورفت رکھتے ہوں ان کی عزت کرنا اور ان کا خیال کرنا وزیر پر فرض ہے۔ ان لوگوں کے بعد اربابِ سیف و اصحابِ قلم کی دل جوئی کرنی چاہیئے۔ اس کا کہنا ہے کہ اہل السیف کے بغیر حکومتیں پائدار نہیں ہوتیں اور اہلِ قلم کی عدم موجودگی میں وزیر کی کامیابی ممکن نہیں۔

اوصاف

وزیر کی ذاتی صفات کے متعلق بھی نظام الملک دستور الوزراء میں اظہارِ رائے کرتا ہے۔ اس کے نزدیک وزیر میں سب سے بڑی صفت عقل و فہم ہے تاکہ وہ اپنی تمام کارروائیوں کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ سکے۔ دوسری صفت یہ ہونی چاہیئے کہ وہ بلند کردار کا مالک ہو۔ اس میں خلوص و صداقت بہت ضروری ہیں کیونکہ ان صفات کے بغیر وزیر نہ تو اپنے آقا کا وفادار ہو سکتا ہے اور نہ ہی ملک کا بہی خواہ بن سکتا ہے۔ وزیر کی علمیت کے متعلق نظام الملک کی رائے ہے کہ وہ تاریخِ عالم کا ماہر ہو کیونکہ تاریخ ہی ایک ایسا علم ہے جو اسے صحیح نتائج اخذ کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تاریخ و سیاسیات میں بہت گہرا تعلق ہے۔ دنیا علت و معلول کے لامتناہی سلسلے کا نام ہے۔ ایک ہی طرح کے اسباب لازمی طور پر اسی قسم کے نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ اگر وزیر تاریخ کی مدد سے ان اسباب پر گہری نظر رکھے تو وہ ان غلطیوں کا مرتکب نہیں ہو سکتا جن کی وجہ سے پچھلے زمانے کے لوگ تباہ ہو گئے۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ نظام الملک نے خود ان غلطیوں کا ارتکاب کیا اور برامکہ کے زوال کے اسباب کو جانتے ہوئے بھی وہ ان سے اپنے دامن کو بچا نہ سکا۔ پھر اس کے اپنے عقیدے کے مطابق ایک ہی طرح کے اسباب اسی قسم کے نتائج پیدا کرتے ہیں وہ بھی برامکہ کی طرح معزول کر دیا گیا۔

اختیارات

طوسی سیاست نامہ میں ملک شاہ کو تاکید کرتا ہے کہ بڑے اور چھوٹے ہر معاملے میں وزیر سے مشورہ کرے اور اس کے مشورے کے بغیر کبھی کوئی قدم نہ اٹھائے۔ غالباً وہ وزیر کی رائے کو بادشاہ کے لیے واجب الاذعان قرار دیتا ہے۔ وہ وزیر کے لیے وسیع اختیارات کا خواہاں ہے۔ شاید اس لیے کہ اس نے وزیر کے اوصاف کی جو فہرست مرتب کی ہے ان صفات کے حامل انسان کی ہر رائے واجب التعمیل ہوتی ہے اور پھر اس لیے بھی کہ وہ خود بہ حیثیت ایک وزیر کے فطری طور پر سلطنت کے معاملات میں وزیروں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دینا چاہتا

تھا۔ برخلاف اس کے کہ اس کا ہم عصر مفکر کیکاؤس (۱۰۲۱ - ۱۰۸۲ء) جس نے قابوس نامہ تصنیف کیا ہے بخود فرمانروا ہونے کی وجہ سے بادشاہ کو مشورہ دیتا ہے کہ وزیر کے دیئے ہوئے مشورے پر عملی اقدام کرنے سے پہلے خوب اچھی طرح غور و خوض کر لینا چاہیئے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ کو وزیر کے مشورے کے خلاف عمل کرنے کی بھی آزادی دیتا ہے۔ اسی طرح نظام الملک بادشاہ کو یہ مشورہ نہیں دیتا ہے کہ وہ وزیر کے حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھے جس طرح کہ مصنف قابوس نامہ کہتا ہے کہ بادشاہ کو وزیر کی معمولی سے معمولی بات کا علم رکھنا چاہیئے حتیٰ کہ وزیر بادشاہ کے علم کے بغیر ایک گھونٹ پانی بھی اپنے حلق سے نہ اتار سکے کیونکہ بادشاہ نے اپنی جان و مال کو وزیر کے حوالہ کر رکھا ہے اس لیے اس کی طرف سے معمولی غفلت بھی مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ گویا کہ نظام الملک سلطنت میں وزیر کو بادشاہ کا شریک سمجھتا ہے اس کے وہ تاریخی الفاظ اگرچہ غصے میں اس کے منہ سے نکلے لیکن وزارت کے متعلق اس کے نظریات کی ترجمانی کرتے ہیں " اس کا تاجِ سلطنت میرے قلمدانِ وزارت کے ساتھ وابستہ ہے جب یہ اُلٹے گا تو تاج بھی باقی نہیں رہے گا" یا "اگر سلطان کو اب تک معلوم نہیں تو اسے معلوم ہو جانا چاہیئے کہ بیشک میں حکومت میں اس کا شریک ہوں"۔ برخلاف اس کے کیکاؤس وزیر کو بادشاہ کے ایک اعلیٰ ملازم سے زیادہ حیثیت دینے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔

عہدیداروں کا انتخاب

سلطنت کے استحکام کے لیے لائق اور قابل عہدیدار ضروری ہیں۔ نظام الملک اس امر سے بہت اچھی طرح واقف ہے کہ بادشاہ کتنا ہی لائق اور ہمدرد کیوں نہ ہو لیکن اگر عمال حکومت نااہل، لالچی اور لاپرواہ ہوں تو سلطنت کا زوال یقینی ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے بادشاہ نااہل اور بے راہ رو ہی کیوں نہ ہو لیکن کارکنانِ سلطنت لائق اور فرض شناس ہوں تو عوام کی قسمت بدل جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عقلمندوں کا قول ہے کہ لائق ملازم اور کارآمد غلام اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ مفید ہوتے ہیں۔ وہ عہدیداروں کے تقرر میں چند اصول کو پیشِ نظر رکھنے کی ہدایت کرتا ہے تاکہ کاروبارِ مملکت میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو۔ وہ اصول درج ذیل ہیں:

اول یہ کہ بادشاہ اپنے خاندان میں سے کسی شخص کو بھی اعلیٰ عہدے پر فائز نہ کرے۔ اس سے نظام الملک کا مقصد شاہی خاندان کے افراد کو بغاوت کرنے کا موقع حاصل کرنے سے روکنا ہے۔ تاریخ میں ایسے واقعات کمیاب نہیں ہیں جن میں اعلیٰ عہدوں پر فائز شاہی خاندان کے افراد نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کر کے اس کو تخت و تاج سے محروم کر دیا۔ لیکن اس پالیسی میں سب سے بڑی قباحت یہ ہوتی ہے کہ شاہی خاندان کے افراد اصولِ جہانبانی سے بالکل نابلد رہ جاتے ہیں۔ اور جب ان کے بادشاہ بننے کی باری آتی ہے تو عملی تجربہ نہ ہونے کے باعث انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ سلیمان اعظم کے بعد عثمانیوں کی کمزوری کا سب سے بڑا سبب یہی تھا۔

دوم یہ کہ ایک شخص کو ایک سے زیادہ عہدے پر فائز نہ کیا جائے۔ اس سے ایک طرف سرکشی کے مواقع کی روک تھام ہوتی ہے تو دوسری جانب کارکردگی پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ اس طرح سے طوسی عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

سوم یہ کہ کفار و ملحدین میں سے کسی کو حکومت کے کسی عہدے پر مقرر نہ کیا جائے۔ نظام الملک اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ محصولات کی وصولی میں اسلامی جذبہ اور رحم دو ضروری چیزیں ہیں جن کے بغیر کوئی حکومت پھل پھول نہیں سکتی۔ اگر ان کاموں پر غیر مسلموں یا ملحدوں کو مقرر کیا گیا جن میں نہ تو جوشِ اسلام ہوتا ہے اور نہ ہی جذبۂ رحم پایا جاتا ہے تو وہ سلطنت کی تباہی و بربادی کا باعث ہوں گے۔ نظام الملک سیاست نامہ کے پچاس ابواب میں سے چھ باب ان کفار و ملحدین کے بیان پر وقف کرتا ہے۔ وہ ملک شاہ کو یاد دلاتا ہے کہ اس کے والد الپ ارسلان نے کبھی یہود و نصاریٰ، گبر و قرامطہ کو سرکاری ملازمت میں نہیں رکھا۔ وہ مختلف مذہبوں اور فرقوں کے عقائد سے طول طویل بحث کرتا ہے اور ان کے غیر اسلامی ہونے کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

چہارم یہ کہ بادشاہ اعلیٰ عہدیداروں کو اپنا مصاحب نہ بنائے۔ اس سے غالباً اس کا مقصد یہ ہے کہ اعلیٰ عہدیداروں کے دل سے بادشاہ کا خوف اور رعب نکل نہ جائے۔

حکومت کے مختلف شعبے

دربار

طوسی شاہی دربار کے بارے میں بھی اظہارِ خیال کرتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ دربار صحیح بنیادوں پر قائم ہو اور اس میں چند اصلاحات کی جائیں۔ وہ درباری رسوم اور جشنوں کو قائم رکھنا چاہتا ہے لیکن بادشاہ کو خوشی کے موقعوں پر غریبوں کی خبر گیری کرنے اور ان میں کھانا تقسیم کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ دربار میں مسخروں اور بھانڈوں کی جگہ لائق اور قابل لوگ ہی شریک کئے جائیں اور بادشاہ ان ہی لوگوں سے امورِ مملکت میں مشورہ لے۔ وہ غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک پر بہت زیادہ زور دیتا ہے۔

محکمۂ قضا

جہاں تک کہ قوانینِ مملکت کا تعلق ہے نظام الملک نہایت واضح رائے رکھتا ہے کہ حتی الامکان شرعی احکامات کی سختی سے پابندی کی جائے۔ جس معاملے میں شرع خاموش ہو بادشاہ کو قانون سازی کا حق دیتا ہے لیکن ماہرین کے مشورے کے بغیر کسی قانون کو جاری کرنے سے منع کرتا ہے۔ ان ماہرینِ قانون (فقہا) کے متعلق وہ تاکید کرتا ہے کہ بادشاہ انہیں میں سے اپنا مصاحب مقرر کرے۔ ان کی ضروریاتِ زندگی کا کفیل ہو اور ان کی عزت و احترام کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔

نظام الملک کا کہنا ہے کہ فصل خصومات کا کام نہایت اہم اور بے حد مشکل ہے اس لیے اس زبردست کام کے لیے لوگوں کے انتخاب میں بڑی احتیاط برتنے کی ضرورت ہے تاکہ صرف متقی اور پرہیزگار لوگ ہی اس کام پر مامور ہو سکیں۔ جن کی دیانت وغیر جانبداری شک وشبہ سے بالاتر ہو۔

طوسی اس بات پر بہت زیادہ زور دیتا ہے کہ مقدمات کے صحیح فیصلے ہوں اور کسی شخص کے ساتھ زیادتی نہ ہو اور نہ ہی اس کی حق تلفی کی جائے۔ اسی لیے وہ ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اعلیٰ عدالتوں میں اپیل کرنے کا حق دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کبھی وقت کی تنگی کے باعث قاضی مقدمات کے تمام پہلوؤں کا جائزہ نہیں لے سکتے اور عجلت میں غلط فیصلہ صادر کر دیتے ہیں۔ اور کبھی رشوت یا طرفداری کے باعث قصداً مظلوموں کے حق نہیں دلائے جاتے اس لیے ایسے فیصلوں کے خلاف اپیل کرنے کا حق دیا جانا بے حد ضروری ہے۔ وہ عدل وانصاف کو بادشاہ کا اہم ترین فریضہ بتلاتا ہے۔ جس کے قیام کے لیے وہ بادشاہ کو ذاتی طور پر ذمہ دار قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ کسی بے گناہ کی خونریزی کسی حالت میں بھی نہ کی جانی چاہیئے اور نہ ہی کسی قاتل کو کسی بھی صورت میں معاف کرنا چاہیئے۔ غالباً وہ قتل کے مقدمات کی آخری سماعت بادشاہ کو کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ عدالتوں نے قاتل کو قصاص میں قتل کیے جانے کی سزا سنادی ہو یا اسے بری کر دیا ہو۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ طوسی ایک شخص کو ایک سے زیادہ عہدے دیئے جانے کے خلاف ہے۔ اسی لیے وہ عدلیہ کو انتظامیہ سے بالکل آزاد دیکھنا چاہتا ہے لیکن اسے اس امر کا احساس ہے کہ عدالتوں کے فیصلے انتظامیہ کے تعاون کے بغیر جاری نہیں کیئے جا سکتے اس لیے وہ دونوں محکموں میں تعاون اور ربط قائم کرنے کی ضرورت پر بھی زور دیتا ہے۔

محکمۂ مال

نظام الملک چاہتا ہے کہ عوام پر ٹیکس کا بار بہت کم پڑے۔ اور ٹیکس کی شرح کا علم ہر شخص کو ہو جائے تاکہ اس سے زیادہ وصول نہ کیا جا سکے۔ شرعی محاصل ہی بادشاہ کو حتی الامکان وصول کرنے چاہئیں اور خلاف شرع ٹیکس عائد کرنے سے احتراز لازم ہے۔

محصلین پر کڑی نظر رکھنے کی وہ سخت تاکید کرتا ہے تاکہ وہ واجبی ٹیکس سے ایک پیسہ بھی زیادہ وصول نہ کر سکیں۔ کسانوں اور محصول ادا کرنے والوں کو عام اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ بلا روک ٹوک بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر محکمۂ مال کے کارکنوں کی زیادتی کے خلاف شکایت کر سکیں۔ بادشاہ کو چاہیئے کہ وہ محصلین کے ذہن نشین کرا دے کہ وہ اور ان کا بادشاہ خدمت خلق ہی کے لیے اپنے عہدوں پر فائز ہیں۔ وہ واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ عمال محکمۂ مال عوام کی خیر خواہی کے خلاف کام کریں تو انہیں بلا تامل برطرف کر دینا چاہیئے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ عملے کو تین سال سے زائد

ایک مقام پر نہ رہنے دینا چاہیئے تاکہ وہ خود کو بادشاہ کی سزا سے محفوظ نہ سمجھنے لگیں اور خود مختاری اختیار نہ کرلیں۔ یہ مشورے آج بھی اتنے ہی اہم ہیں جتنے کہ آج سے نو سو برس پہلے تھے۔

محکمہ دفاع

چونکہ سلطنت کا استحکام وفادار افواج ہی کے ذریعہ ممکن ہے اس لیے نظام الملک نے بادشاہ کو ایسے مشورے دیئے ہیں جن کے ذریعہ سے ہر قسم کی فوجی بغاوتوں کا انسداد کیا جاسکے اسی لیے وہ کہتا ہے کہ فوج میں مختلف قوم و نسل کے لوگ شامل کئے جائیں تاکہ بادشاہ کے خلاف سازش کرنے کا امکان باقی نہ رہے۔ اس طریقۂ کار سے نہ صرف فوجی وفاداری یقینی ہوجائے گی بلکہ ان کی کارکردگی پر بھی خوشگوار اثر پڑے گا۔ اس کے علاوہ وہ بادشاہ پر زور دیتا ہے کہ فوج کی تنخواہیں معقول ہوں اور وقت پر پابندی کے ساتھ دی جائیں تاکہ ان میں بے اطمینانی اور بے چینی راہ نہ پانے پائے۔

سفارت

سفیروں کے متعلق نظام الملک کے نظریات نہایت جدید ہیں۔ بقول شیروانی صاحب کے "جب ہم سفارت کے متعلق طوسی کے نظریات پڑھتے ہیں تو ان کو زمانۂ حال کے عین مطابق دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ وہ اس طرح سے لکھتا ہے جیسے کہ وہ بیسویں صدی میں کسی مغربی ملک کے متعلق لکھ رہا ہو۔"

نظام الملک کے نزدیک سفراء کا کام صرف یہ نہیں ہے کہ اپنی حکومت کے پیغامات اس ملک کی حکومت تک پہنچاویں جہاں وہ متعین ہیں۔ بلکہ اس ملک کے متعلق تمام جغرافیائی، سیاسی اور اقتصادی معلومات کا جمع کرنا بھی ان کے اہم فرائض میں داخل ہے۔ سفیر کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جس ملک میں وہ مقرر ہے کہاں کہاں سڑکیں، راستے، وادیاں اور نہریں ہیں اور ان کی حالت کیسی ہے وہ فوج کے گزرنے کے لیے استعمال کی جاسکتی ہیں یا نہیں۔ آس پاس کے کن علاقوں سے خوراک فراہم کی جاسکتی ہے۔ سفیر کو بادشاہ کی حیثیت اور اس کے اقتدار کے متعلق بھی مفصل معلومات فراہم کرلینی چاہیئے۔ وزیر کے بارے میں بھی علم ہونا چاہیئے کہ وہ دیانتدار ہے یا نہیں۔ اس کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اس ملک کی فوجی طاقت کیسی ہے اور فوج کن کن اسلحات سے لیس ہے۔ پھر فوجیوں کے حوصلے اور حکومت کے متعلق ان کے خیالات بھی جاننا چاہیئے۔ اور فوجیوں کے تجربہ کا بھی اندازہ ہونا چاہیئے۔ فوجی طاقت کے علاوہ اقتصادی حالات اور باشندگان ملک کی مالی حالت کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ نظام الملک سفراء کا یہ بھی فرض سمجھتا ہے کہ وہ ضلع وار مردم شماری سے بھی واقفیت حاصل کرے۔ یہ تمام معلومات کیوں فراہم کرنا چاہئیں نظام الملک نہایت واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ سفیروں کو ہمیشہ اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ جب کبھی بھی ان کے وطن کو اس ملک پر حملہ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو یہ تمام جنگی معلومات پہلے سے ہی جمع رہیں

جاسوس

ان خارجی جاسوسوں یعنی سفیروں کے علاوہ اندرون ملک میں جاسوسوں اور مخبروں کے تقرر پر بھی نظام الملک بہت

زیادہ زور بیان صرف کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کامیاب ترین حکمران وہ ہے جسے مملکت کے دور دراز علاقوں کی معمولی سے معمولی بات کی بھی خبر ہو۔ تاکہ ہر قسم کی بدنظمی پر اس کے بڑھنے سے پہلے ہی قابو پا لیا جائے اور باغیوں کا علمِ بغاوت بلند کرنے سے پہلے ہی قلع قمع کر دیا جائے یہ چیز بغیر جاسوسوں کا جال بچھائے حاصل ہونی ممکن نہیں ہے۔ جاسوسی کے متعلق اس نے سیاست نامہ میں ایک علاحدہ باب مخصوص کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بادشاہ کو چاہیئے کہ ان جاسوسوں کے ذریعہ عمالِ حکومت کی کارکردگی نیز ان کے عزائم کے متعلق خبر رکھے۔ وہ ہر ہر محکمہ کے لیے ایک ایک جاسوس مقرر کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ بلکہ ہر با اختیار عہدیدار کے لیے بھی ایک جاسوس کے تقرر کی ضرورت بتلاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بادشاہ جب کسی افسر کو مقرر کرے تو اس کے ساتھ ہی ایک اور شخص کو تعینات کرے جس کا علم پہلے کو نہ ہو تاکہ یہ خفیہ طور پر اس افسر کی حرکات و سکنات کی نگرانی کرتا رہے کہ وہ اپنے فرائض مفوضہ کس طرح انجام دیتا ہے۔

نظام الملک صرف جاسوسی نظام کے قیام کی اہمیت بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے متعلق نہایت واضح اور کارآمد اصول بھی بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ان جاسوسوں کو سوداگروں، مسافروں اور درویشوں کے بھیس میں اِدھر اُدھر گھومتے رہنا چاہیئے تاکہ وہ تمام حالات کو اطمینان کے ساتھ قریب سے دیکھ سکیں۔ وہ جاسوسوں کو یہ بھی مشورہ دیتا ہے کہ وہ گھومتے رہیں۔ ملک کے مختلف صوبوں کا دورہ کرتے رہیں ایک جگہ نہ ٹھہریں۔ وہ جاسوسوں کے فرائض میں یہ بھی شامل کرتا ہے کہ وہ ہمسایہ ممالک کے اندرونی حالات کا بھی سراغ لگائیں۔

عورت اور سیاست

نظام الملک عورتوں کے بارے میں قدیم خیالات کا حامی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ جنس لطیف سیاست کی گتھیوں کو سلجھانے سے قاصر ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اسے ضعیف العقل بنایا ہے۔ اس لیے بادشاہ کو مشورہ دیتا ہے کہ عورتوں کو سیاست میں دخل نہ دینے دے۔ وہ ان نقصانات کو گنواتا ہے جو عورتوں کے دخل کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ غالباً نظام الملک ملک شاہ کی بیوی ترکان خاتون کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے خائف تھا اور اسے اس بات کا اندیشہ ضرور رہا ہوگا کہ ایک نہ ایک دن سلجوقی خاندان کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور ہوا بھی یہی۔ نظام الملک کی معزولی اور قتل کے بعد ایسی ابتری پھیلی کہ اس نے اس خاندان کو تباہ کر کے ہی چھوڑا۔ ممکن ہے کہ عورتوں کی بابت طوسی کے ان خیالات سے مغرب زدہ افراد کو اختلاف ہو لیکن یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ مشرقی ممالک میں عورتوں نے جب بھی حکومت کے معاملات میں دخل دینا شروع کر دیا وہ مملکت کے زوال کا باعث بنیں۔

پاکستان کے بلند پایہ مفکر اور نامور مصنف

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

بانی ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کی یاد میں ادارہ کے ترجمان

مجلّہ "ثقافت"

کا

خلیفہ عبدالحکیم نمبر

عنقریب شائع کیا جائے گا جو خلیفہ صاحب کی ثروتِ افکار، علمی فضیلت اور دینی خدمات نیز ان کی دل کش اور ہمہ گیر شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے والے مضامین کا ایک نادر مرقع ہوگا۔ مرحوم خلیفہ صاحب کے احباب اور قدر شناس نہ صرف پاکستان و ہندوستان بلکہ مشرقِ وسطی، یورپ، امریکہ اور مشرقِ بعید کے مختلف ممالک میں بھی موجود ہیں اور خاص نمبر ان کے مقالات و تاثرات پر مشتمل ہوگا۔

ملنے کا پتہ

سکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور